بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

غیر مسلموں سے سماجی و معاشرتی تعلقات اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

سید جلال الدین عمری

غیر محاربین کے ساتھ اسلام کا رویہ

جو لوگ اسلام کے نظام فکر و عمل سے اختلاف رکھتے ہیں وہ دو طرح کے رویے اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک رویہ عداوت اور مخاصمت کا ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو آزادی اور امن و سکون سے رہنے نہ دیں اور اسلامی ریاست سے ان کی جنگ جاری ہو، دوسرا رویہ آزادی، حریت فکر و عمل اور ظلم و زیادتی سے اجتناب کا ہوگا۔ اسلام نے ان دونوں رویوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ وہ پہلے گروہ سے موالات اور رازدارانہ تعلقات سے احتراز کا حکم دیتا ہے لیکن دوسرے گروہ کے ساتھ اس نے حسن سلوک، تعاون اور ہمدردی سے منع نہیں کیا ہے[1]۔ سورہ ممتحنہ میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔

لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ	اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں
لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ	روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک
یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ	اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے
تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ	تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝	کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون 'مخالفین سے عدم تعلق کے قرآنی احکام کا پس منظر' مطبوعہ تحقیقات اسلامی ج ۱۳ شمارہ ۳ جولائی، ستمبر ۱۹۹۴ء

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (الممتحنہ: ۸-۹)	اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔[۱] اللہ تعالیٰ تو تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ جو شخص ان سے دوستی کرے وہی ظالم ہے۔

اس آیت میں وہ کون لوگ مراد ہیں جنھوں نے مسلمانوں پر ظلم وزیادتی نہیں کی اور اس طرح کا اقدام کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ اس کے جواب میں سلف سے حسب ذیل رائیں ملتی ہیں۔

۱۔ حضرت حسن بصریؒ اور ابو صالح کا بیان ہے کہ یہ آیات بنو خزاعہ، بنو حرث بن کعب کنانہ، مزینہ اور عرب کے بعض دیگر قبائل سے متعلق نازل ہوئیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر رکھی تھی کہ وہ آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے۔

۲۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس میں بنو ہاشم کے ان افراد کی طرف اشارہ ہے

---

[۱] اس کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ ظلم وزیادتی نہیں کی اور ظلم کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا ان کے ساتھ تمہارا رویہ عدل وانصاف پر مبنی ہونا چاہیے۔ یہ بات ناانصافی کی ہوگی کہ انھیں بھی دشمنوں کی صف میں رکھا جائے اور دونوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جائے۔ اس کا ایک اور مفہوم ابن عربی مالکی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قسط سے مراد یہاں عدل نہیں ہے بلکہ اس کے معنی حصہ کے بھی آتے ہیں یہی اس جگہ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی خاطر اپنے اموال کا ایک حصہ ان پر خرچ کرو اس لیے کہ جہاں تک عدل کا تعلق ہے وہ محارب اور غیر محارب سب کے ساتھ واجب ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔ وتقسطوا الیہم ای تعطوھم قسطا من اموالکم ولیس یرید بہ من العدل فان العدل واجب فی من قاتل وفی من لم یقاتل۔ احکام القرآن: ۲/۲۴۹

جو ان لوگوں میں شامل نہیں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ ان ہی میں حضرت عباس بھی ہیں۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غیر مسلم عورتوں اور بچوں سے متعلق ہے۔ (اس لیے کہ ان کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا)[1]

سلف کی ان تشریحات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر تشریح کسی خاص پہلو کو واضح کر رہی ہے۔ ان سب کو سامنے رکھنے سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

اسلامی ریاست کا جن قبیلوں، قوموں اور ملکوں سے صلح و آشتی کا معاہدہ ہوگا، ان کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری ہی کا نہیں بلکہ برّ و احسان کا رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

جو قوم اسلامی ریاست سے برسرِ پیکار ہے، اس میں بھی ایسے گروہ اور طبقات ہو سکتے ہیں جن کے دل میں اسلامی ریاست سے حریفانہ جذبات نہ ہوں اور جو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہوں ان کے ساتھ بھی بہتر تعلقات رکھنے اور تعاون اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اسی طرح محارب قوم کے وہ افراد جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے (جیسے عورتیں، بچے اور معذور وغیرہ) ان کے ساتھ وہ رویہ اختیار نہیں کیا جائے گا جو برسرِ جنگ افراد کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ وہ ہمدردی اور لطف و محبت کے مستحق ہوں گے۔

علامہ ابن جریر طبری اس آیت کے ذیل میں سلف سے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی بہتر اور صحیح توجیہ ان حضرات نے کی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ کسی بھی دین و ملت کے وہ افراد جو برسرِ جنگ نہ ہوں ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسنِ سلوک کیا جائے گا۔ اس میں ایک گروہ اور دوسرے گروہ کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا۔ آیت کو منسوخ بھی نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ اہلِ حرب میں سے جس سے قرابت اور رشتہ داری ہو یا نہ بھی ہو تو اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی ممنوع اور ناجائز نہیں ہے بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا کوئی راز ان پر نہ کھلے یا ساز و سامانِ حرب کے ذریعہ انھیں تقویت پہونچائی جائے[2]

---

[1] آلوسی، روح المعانی جزء ۲۸ ص ۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو رازی، تفسیر کبیر ۸/ ۱۴۴

[2] ابن جریر، تفسیر طبع قدیم جزء ۲۸ ص ۴۳

ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک

اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ ذمیوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنا ان کے دکھ درد میں کام آنا اور مشکلات میں ان کی مدد کرنا ناجائز نہیں ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں۔
آیت کے الفاظ "اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ" میں عموم ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمیوں کو صدقات دئے جا سکتے ہیں، اس لیے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہے جو ہم سے برسر جنگ ہیں، البتہ اس سے حربی کو صدقات دینے کی ممانعت نکلتی ہے (اس لیے کہ ریاست سے وہ حالت جنگ میں ہے)[1]

ذمی کا اکرام

حسن سلوک کا تعلق مالی مدد ہی سے نہیں اخلاقی رویہ سے بھی ہے۔ ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ بات چیت میں، ملنے جلنے اور تعلقات میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ ان میں جو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے جس حیثیت کا مالک ہو اس کے مطابق اسے عزت و احترام کا مقام دیا جائے۔
قاضی اسماعیل بن اسحاق کی خدمت میں ایک ذمی پہونچا تو انھوں نے اس کی تعظیم و توقیر کی۔ حاضرین میں سے بعض نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو قاضی اسماعیل نے سورۂ ممتحنہ کی اسی آیت کا حوالہ دیا۔[2]
مطلب یہ کہ قرآن مجید نے ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے۔ یہ احترام اسی حسن سلوک میں داخل ہے۔
ایک سوال یہ ہے کہ مسلمان کسی ذمی کے احترام میں کھڑا بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ علامہ

---

[1] علامہ ابوبکر جصاص کے الفاظ یہ ہیں: ان تبروهم وتقسطوا اليهم عموم فى جواز دفع الصدقات الى اهل الذمة اذ ليس هم من اهل قتالنا، فيه النهى عن الصدقة على اهل الحرب
احکام القرآن: ۳/ ۴۳۷۔ نیز ملاحظہ ہو۔ روح المعانی جز ۲۸ ص ۷۵

[2] ابن عربی مالکی، احکام القرآن: ۲/ ۲۵۰

عز الدین بن سلام نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ البتہ نہ کھڑا ہونے میں کسی بڑے ضرر کا خطرہ ہو تو فرماتے ہیں کہ کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علماء احناف میں ابن وہبان اس کا ایک مثبت پہلو بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ذمی کا اسلام کی طرف رجحان ہو تو قیام کی گنجائش ہے۔ بعض لوگوں نے ہر دینی مصلحت کو یہی حیثیت دی ہے[1]

اس قسم کے مسائل کو بالعموم اس سوال سے جوڑ دیا گیا ہے کہ مسلمان جب برسر اقتدار ہوں تو ان کا ذمیوں کے ساتھ جو اقتدار میں شریک نہیں ہیں کیا رویہ ہونا چاہیے لیکن اگر اسے اسلام کی عام اخلاقی تعلیمات اور اپنوں اور غیروں کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی اور احسان کی ہدایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس سے زیادہ وسیع پس منظر میں ان پر غور و فکر ہو سکتا ہے۔

غیر مسلم کو دعا دینا

ہم نے اس سے پہلے سلام کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ غیر مسلم کو سلام کا جواز ملتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے دعا بھی دی جا سکتی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی تو آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین وجمیل رکھے۔ چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے[2]

علامہ بغوی اس روایت کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کو دعا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ روایت میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ دوہ کر پیش کیا۔ آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ اسے حسین وجمیل بنا دے۔ چنانچہ اس کے بال سیاہ ہو گئے۔ وہ نوے برس کے قریب زندہ رہا لیکن اس کے بالوں میں سفیدی نہیں آئی[3]

---

[1] آلوسی، روح المعانی جز ۲۸ ص ۷۵ [2] عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۳۹۲
[3] بغوی، شرح السنۃ - ۱۲/۲۷۳۔

چھینک کا جواب

کوئی شخص چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہے تو حکم ہے کہ سننے والا 'یرحمک اللہ' کہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہود آپ کی مجلس میں زبردستی چھینکتے تھے تاکہ زبانِ مبارک سے ان کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ ادا ہوں۔ آپ یرحمکم اللہ کے الفاظ تو ان کے لیے استعمال نہیں فرماتے تھے البتہ یہدیکم اللہ ویصلح بالکم، کہا کرتے تھے[1] یہ بھی دعا ہے اور اس کا مطلب ہے اللہ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات کو ٹھیک کر دے۔

اس سے واضح ہے کہ غیر مسلم کو اس کے مناسب حال دعا دی جاسکتی ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور نوع انسانی کے ساتھ اس کے شریفانہ رویہ کا فطری تقاضا ہے۔

غیر مسلم کے جنازہ کا احترام

حضرت سہل بن حنیفؓ اور قیس بن سعدؓ قادسیہ میں تھے۔ ایک جنازہ گزرا تو وہ کھڑے ہو گئے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا۔ انھوں نے جواب دیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ آپؐ کے سامنے سے جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ نفس (جان) نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا موت سے ایک گھبراہٹ ہوتی ہے (اس کا تعلق مسلم یا غیر مسلم سے نہیں ہے)[2]

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی بھی انسان کی موت ایک خوفناک حادثہ ہے۔ اس سے مومن کو اپنی موت یاد آتی ہے اور وہ عبرت حاصل کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم تجہیز وتکفین اور اس نوع کے دیگر

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب کیف یُشمّتُ الذمیُّ۔ ترمذی، ابواب الاستیذان، باب کیف یشمت العاطس۔

[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ الیہودی۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازہ۔

مذہبی مراسم آزادی سے انجام دے سکتے ہیں۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔[1]

مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کا حکم

مسجد کی تعمیر خدا کی عبادت کے لیے ہوتی ہے۔ اس پہلو سے اس کی حیثیت مقدس مقام کی ہے۔ اس کی پاکی صفائی کا اہتمام ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس مقدس اور پاک جگہ میں کوئی غیر مسلم داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن مجید میں مسجد حرام کے سلسلہ میں یہ ہدایت ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا	اے ایمان والو بے شک مشرک نجس
الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا	(ناپاک) ہیں لہٰذا اس سال کے بعد
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ	وہ مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں
هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ	اگر تم تنگ دستی سے ڈرتے ہو تو اللہ تعالیٰ
یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ	جلد ہی تمہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا
اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ (التوبہ ۲۸)	بے شک اللہ علم اور حکمت والا ہے۔

امام مالکؒ نے مسجد حرام پر ہی دوسری مساجد کو قیاس کیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک غیر مسلم کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، اِلّا یہ کہ کوئی مجبوری اسے لاحق ہو۔ جیسے مسجد میں عدالت قائم ہو اور وہاں اسے اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں جانا پڑے۔[2]

شوافع میں امام مزنی بھی مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کو جائز نہیں سمجھتے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام اور حدود حرم میں تو غیر مسلم کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ دیگر مساجد میں اس کی اجازت ہے۔ ان میں وہ جا سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید

---

[1] علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کے طریقوں میں فرق ہونا چاہیے اور ان کی تجہیز و تکفین کے اوقات بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ اس حدیث سے بعض علماء کے بقول ان اجتہادات کی تردید ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں واستدل بحدیث الباب علی جواز اخراج جنائز اھل الذمۃ نہارا غیر متمیزۃ عن جنائز المسلمین - اشار الی ذلک الزین بن المنیر قال والزامہم بمخالفۃ رسوم المسلمین وقع اجتہادا من الائمۃ۔ فتح الباری ۳: ۱۸۱

[2] جصاص، احکام القرآن: ۳/ ۱۰۹

کی ممانعت کا تعلق حج سے ہے۔ حج کے دنوں میں غیر مسلم خانۂ کعبہ اور مقاماتِ حج میں نہیں جاسکتا۔ حج کے بعد وہاں جاسکتا ہے۔ دیگر مساجد کے سلسلہ میں یہ پابندی نہیں ہے، ہر زمانہ میں اسے مساجد میں داخلہ کی اجازت ہے[۱]

پھر اس آیت کا کیا مفہوم ہے؟ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اس کی دو توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق خاص مشرکین عرب سے ہے، اس لیے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان سے جنگ کا حکم تھا۔ وہ ذمی نہیں بنائے جاسکتے تھے۔ یہ حکم دوسرے مشرکین کا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کا تعلق حج سے ہے۔ آیت کے الفاظ فلا یقربوا المسجد الحرام (مسجد حرام کے قریب وہ نہ جائیں) اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس میں خانۂ کعبہ کے ساتھ حج سے متعلق مقامات بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ وہ خانۂ کعبہ سے قریب ہیں۔ جیسے عرفات اور مزدلفہ۔ ان مقامات پر ایامِ حج میں کسی مشرک کو داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی۔ جب آیت میں حرم اور مقاماتِ حج دونوں شامل ہیں لہٰذا دونوں کا حکم بھی ایک ہونا چاہیے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایامِ حج کے علاوہ دوسرے ایام میں عرفات اور مزدلفہ میں ذمی کا داخلہ ممنوع نہیں ہے تو یہی حکم خانۂ کعبہ کا بھی ہونا چاہیے۔

وان خفتم عیلۃ (اگر تم فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو) کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ آیت کا تعلق موسم حج سے ہے۔ اسی میں تجارتی میلے لگتے تھے اور کاروباری منافع حاصل ہوتے تھے۔ مشرکین کو منع کرنے سے یہ تجارتی فائدہ ختم ہوسکتا تھا، اس لیے فرمایا کہ اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسرے طریقہ سے تمہاری مدد کرے گا[۲]

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں مشرک کو 'نجس' (ناپاک) کہا گیا ہے۔ اگر وہ نجس ہے تو مسجد میں کیسے داخل ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جسمانی اور مادی نجاست کا نہیں عقیدہ کی نجاست کا ذکر ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں:۔

---

[۱] مختلف فقہی مسالک کی تفصیل کے لیے حسب ذیل تفسیریں ملاحظہ ہوں۔

خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل مع بغوی، معالم التنزیل: ۳/۶۳۔ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/۱۸۳

[۲] تفصیل دیکھی جائے۔ احکام القرآن: ۳/۱۰۸-۱۱۱

اطلاق اسم النجس علی المشرک	مشرک پر اسم نجس کا اطلاق اس پہلو سے
من جهة ان الشرك الذی	ہے کہ شرک سے جس پر اس کا عقیدہ ہے
یعتقده یجب اجتنابه کما یجب	اسی طرح اجتناب ضروری ہے جس طرح
اجتناب النجاسات والاقذار	نجاسات اور گندگیوں سے پرہیز لازمی ہے
فلذالك سماهم نجسا [1]	اسی لیے انھیں نجس کہا گیا ہے۔

امام نووی نے غیر مسلم کی طہارت وعدم طہارت کے مسئلہ پر شوافع اور جمہور فقہاء کا مسلک کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں ان کے الفاظ پیش کیے جا رہے ہیں۔

..... اما الکافر فحکمه فی	..... کافر کا حکم بھی طہارت اور نجاست
الطهارة والنجاسة حکم	میں مسلمان ہی کا حکم ہے۔ یہی ہمارا (شوافع)
المسلم هٰذا مذهبنا و	اور جمہور سلف وخلف کا مسلک ہے رہا اللہ تعالیٰ
مذهب الجماهیر من	کا ارشاد "انما المشرکون نجس" تو
السلف والخلف واما قول	اس سے اعتقاد کی نجاست اور گندگی
الله عزوجل انما المشرکون	مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
نجس فالمراد نجاسة الاعتقاد	ان کے اعضا رجسم پیشاب پاخانہ جیسی
والاستقذار ولیس المراد	چیزوں کی طرح نجس ہیں۔ جب یہ بات
ان اعضاءهم نجسة کنجاسة	ثابت ہوگئی کہ آدمی طاہر ہے چاہے وہ
البول والغائط ونحوهما فاذا	مسلمان ہو یا کافر تو اس کا پسینہ، لعاب
ثبتت طهارة الآدمی مسلما کان	اور آنسو بھی پاک ہیں، چاہے وہ بے وضو
اوکافرا فعرقه ولعابه ودمعه	ہو یا جنابت کی حالت میں۔ عورت
طاهرات سواء کان محدثا	حیض اور نفاس کی حالت میں ہو تو بھی
اوجنبا اوحائضا اونفساء وهٰذا	پاک ہے۔ ان سب باتوں پر مسلمانوں
کله باجماع المسلمین [2]	کا اجماع ہے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

---

[1] احکام القرآن: ۱۰۸/۳ [2] نووی، شرح مسلم ج ۲ جزء ۴ ص ۶۶

حضرت ثمامہ بن اثال جنگ میں گرفتار ہوئے تو انھیں مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ کر رکھا گیا (تاکہ فرار نہ ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حکم دیا کہ رسی کھول دی جائے اور انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آپ کے حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ دو تین روز بعد وہ اسلام لے آئے۔[۱]

اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ غیر مسلم فرد ہی کو نہیں پورے غیر مسلم وفد کو مسجد میں ٹھہرایا گیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے حضرت عثمان بن ابوالعاص بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے مسجد میں ٹھہرایا تاکہ (مسلمانوں کے طریقہ عبادت، ان کی اجتماعیت اور سیرت و اخلاق کو دیکھ کر) اس کے دل نرم پڑیں۔ چنانچہ وفد کے لوگ اسلام لے آئے۔ آپ نے ان کے ساتھ شروع میں بعض احکام شریعت کی رعایت بھی کی لیکن نماز کی پابندی کا حکم دیا۔[۲]

ابوداؤد کی مراسیل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے وفد کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا تاکہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھیں۔ آپ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ انھیں مسجد میں ٹھہرا رہے ہیں جب کہ وہ مشرک ہیں (اور مشرک نجس ہوتا ہے) آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی۔ نجس تو ابن آدم ہوتا ہے۔[۳]

حضرت عثمان بن ابوالعاص کی روایت کے ذیل میں علامہ خطابی لکھتے ہیں۔

وفی هٰذا الحدیث من العلم ان الکافر یجوز له دخول المسجد لحاجة له فیه او للمسلم الیه[۴]	اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ کافر کو اگر مسجد میں کوئی حاجت ہو یا مسلمان کی اس سے کوئی حاجت ہو تو وہ وہاں جا سکتا ہے۔

مسجد میں عدالت اور اس میں غیر مسلم کی حاضری

ایک مسئلہ ہمارے فقہاء کے ہاں یہ زیر بحث رہا ہے کہ فصل مقدمات کے لیے

---

[۱] اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ و حدیث ثمامہ بن اثال۔

[۲] ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ما جاء فی خبر الطائف۔

[۳] زیلعی، نصب الرایہ: ۴/۲۷۰ [۴] خطابی، معالم السنن: ۳/۳۵

عدالت مسجد میں قائم ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ اگر ہو تو اس میں غیر مسلم کی شرکت کا کیا حکم ہے ؟

امام شافعی فرماتے ہیں کہ عدالت میں مسلم اور غیر مسلم، پاک اور ناپاک سب ہی طرح کے لوگ پہونچتے ہیں اس لیے مسجد میں عدالت نہیں ہونی چاہیے۔ مسجد اصلاً عبادت کے لیے ہے۔ یہ اسی کے لیے مخصوص ہونی چاہیے۔

احناف کے نزدیک عدالت کے لیے قاضی کو مسجد میں، بہتر ہے جامع مسجد میں یا کسی ایسی جگہ بیٹھنا چاہیے جہاں آسانی سے لوگ مقدمات لے کر پہونچ سکیں اور انھیں اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ یہی امام احمد کی رائے ہے۔ امام مالک کے متعلق صحیح روایت یہی ہے کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قضاء یعنی شریعت کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرنا خود عبادت ہے، اس لیے مسجد میں عدالت قائم ہوسکتی ہے۔ پھر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مسجد میں مقدمات کی سماعت فرماتے اور فیصلے کرتے تھے۔ رہا مساجد میں قائم ان عدالتوں میں مشرک کا پہونچنا یہ ناجائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ۔

نجاسة المشرك في اعتقاده لا في ظاهره[1]	مشرک کی نجاست اس کے عقیدہ میں ہے نہ کہ اس کے ظاہر میں۔

غیر مسلم سے کاروباری تعلقات

اسلام نے انسان کی زندگی کے لیے حلال و حرام کے حدود مقرر کر دیئے ہیں۔ ان حدود کا دائرہ تجارت، کاروبار اور لین دین تک بھی وسیع ہے۔ ایک مسلمان ان حدود کا لازماً پابند ہوگا لیکن غیر مسلم کے لیے ان کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ وہ ان سے آزاد ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام سود کا مخالف ہے، شراب اس کے نزدیک حرام ہے، خنزیر کو وہ ناپاک قرار دیتا ہے اور اس کے گوشت ہی سے نہیں اس کی کسی بھی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک مسلمان کے لیے ان تمام محرمات کا کاروبار یا لین دین ناجائز ہے وہ براہ راست ہی نہیں بالواسطہ بھی اس میں شریک نہیں ہوسکتا لیکن ایک غیر مسلم کے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہدایہ مع فتح القدیر: ۵/ ۴۶۵ - ۴۶۶

نزدیک ان کا استعمال یا ان کی تجارت جائز ہوسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے ان کی تجارت یا مالی لین دین غیر مسلم سے ہوسکتا ہے یا نہیں جب کہ وہ جائز و ناجائز کی پابندی سے آزاد ہے اور اس کے ذرائع آمدنی حلال و حرام دونوں طرح کے ہیں۔ احادیث سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشتریٰ طعامًا من یہودی الی اجل ورهنه درعه من حدید[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی ذرہ رہن رکھی۔

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیات مبارکہ کے آخری دور کا واقعہ ہے۔ فرماتی ہیں۔

توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودرعه مرهونة عند یہودی بثلاثین صاعا من شعیر[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کی ذرہ ایک یہودی کے ہاں تیس[۳۰] صاع جو کے عوض رہن تھی۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ حافظ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:۔

(الحدیث) دلیل علی جواز معاملة الکفار وعدم اعتبار الفساد فی معاملتهم۔	یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے اور یہ کہ ان کے آپس کے معاملات کے فساد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبیؐ بالنسیئہ۔ مسلم، کتاب المساقاة والمزارعة باب الرہن وجوازہ فی الحضر والسفر۔ اسی مفہوم کی روایت حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ بخاری حوالہ سابق۔

[2] بخاری، کتاب الجہاد، باب ماقیل فی درع النبی والقمیص فی الحرب۔ یہی بیان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودرعه مرهونة عند رجل من یہود علی ثلاثین صاعًا من شعیر اخذها رزقا لعیاله۔ مسند احمد مرویات ابن عباس حدیث نمبر ۲۱۰۹ ج ۳ ص ۳۵۵۔ نسائی، کتاب البیوع۔ مبایعة اہل الکتاب۔

اس کے محشی اور تعلیق نگار، صاحب عمدہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کفار سے اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ خنزیر کا کاروبار کرتے ہیں یا سود کھاتے ہیں یا یہ کہ ان کے پاس مال کیسے آیا۔ اسلامی ریاست ان سے جزیہ لے گی اس کے بعد ان سے بیع و شراء اور خرید و فروخت کا معاملہ اسی طرح کرے گی جیسے ان کے پاس حلال مال ہو، الّا یہ کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت مل جائے[1]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے کئی باتیں نکلتی ہیں۔ ۱۔ کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ جس چیز کا معاملہ کیا جا رہا ہے وہ حرام نہ ہو۔ اس میں ان کے عقائد کے فساد اور ان کے آپس کے معاملات کے غلط ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اگر حربی نہیں ہے تو اسے ہتھیار فروخت کیے جا سکتے ہیں اور ان کے پاس رہن رکھا جا سکتا ہے۔ ۳۔ اس سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ ذمیوں کی املاک ان کے ہاتھوں میں رہے گی۔ (اس پر قبضہ نہیں کیا جائے گا)[2]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم لوگ موجود تھے کہ ایک مشرک جو پراگندہ بال اور دراز قد تھا کچھ بکریاں لے کر پہونچا آپ نے اس سے سوال کیا کہ کیا یہ فروخت کے لیے ہیں یا تحفہ ہیں؟ اس نے کہا فروخت کے لیے ہیں۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی[3]۔

اس حدیث سے بھی مشرکین سے خرید و فروخت کا ثبوت ملتا ہے۔ محدث ابن بطال اس کے ذیل میں کہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ معاملہ جائز ہے سوائے اس کے کہ ایسی بیع ہو جس سے اہل حرب مسلمانوں کے خلاف فائدہ اٹھائیں۔

حافظ ابن حجر اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی بیع جائز ہے اور جو چیز اس کی ملکیت ہے وہ اسی کے پاس باقی رہے گی[4]

---

[1] احکام الاحکام: ۳/ ۱۹۶ - ۱۹۷

[2] فتح الباری: ۵/ ۱۴۱ یہی استدلالات علامہ بدرالدین عینی کے ہاں بھی موجود ہیں۔ عمدۃ القاری: ۱۰/ ۳۹۴ - ۳۹۵۔ نیز ملاحظہ ہو۔ نووی: شرح مسلم ج ۴ جز ۱۱ ص ۴۰

[3] بخاری، کتاب البیوع، باب الشراء والبیع مع المشرکین واہل الحرب۔ [4] فتح الباری: ۴/ ۴۱۰۔ نیز دیکھی جائے عینی: ۱۰/ ۱۱

علامہ ابن عربی مالکی نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں کہ ذمیوں سے شراب بطور جزیہ نہیں لی جائے گی لیکن اگر وہ اسے اپنے لوگوں میں فروخت کرکے جزیہ ادا کریں تو قبول کرلیا جائے گا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

والحاسم لداء الشك و	شک کی بیماری اور اختلاف کو ختم کرنے
الخلاف اتفاق الائمة على جواز	والی بات یہ ہے کہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے
التجارة مع اهل الحرب[1]	کہ اہل حرب سے تجارت ہوسکتی ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ جو لوگ فکر و عقیدہ کا اختلاف رکھتے ہیں ان سے اسلام نے اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے اور لین دین اور معاملات میں ان کے ساتھ شرکت اور تعاون کو وہ روا رکھتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔

[1] احکام القرآن : ۲۱۴/۱

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ اسلام کے نظام معاشرت پر مصنف کو عبور حاصل ہے۔ اس میں انھوں نے آزادیٔ نسواں کے مغربی تصور کی زہرناکی بیان کی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کو اسلام نے جو حقوق عطا کیے ہیں ان کی وضاحت ہے۔ پھر ان حقوق پر مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مہر و نفقہ کا مسئلہ ہو یا طلاق و خلع کا، حجاب کی بحث ہو یا تعدد ازدواج کی، خاندان کی سربراہی کا قضیہ ہو یا ریاست کی قیادت کا، تمام ہی قابل ذکر پہلو زیر بحث آئے ہیں اور ان میں عورتوں کی مخصوص جسمانی صلاحیت، نفسیاتی تقاضے، معاشی ذمہ داریاں اور عدل و مساوات کے تقاضے تمام ہی پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہے۔ اس کی اضافی خوبی اس کا علمی اور استدلالی اسلوب ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندی اور انگریزی کے علاوہ ملک کی دیگر علاقائی زبانوں میں بھی اس قیمتی تصنیف کے ترجمے ہوں۔

دوسرا ایڈیشن صفحات ۲۰۰ قیمت ۳۵ روپے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲